Dareecha-e-Tahqeeq
دریچۂ تحقیق
ISSN PRINT 2958-0005 ISSN Online 2790-9972
VOL 3, Issue 3
www.dareechaetahqeeq.com dareecha.tahqeeq@gmail.com

بابر حسین
اسکالر پی ایچ۔ڈی اردو نمل، اسلام آباد

"نوحہ بے نام" میں دہشت اور جبر کی بازگشت

Babar Hussain
Scholar Ph.D Urdu NUML,Islamabad

Echoes of terror and oppression in "Noha e Be Naam"

Terrorism is often Construrd as a well-thought out extreme from of violence to perceived injustices the after effects of terrorism are usually reported without understanding the underlying psychological and social determinations of terrorism act since 9/11 pakistan has been at the epicentre of both terrorism and war against it , especially balochistan and khaybe Pakhtunkhwa began to present the scene of a battlefield , so its indelible fears on the lives and minds of the residents of this region were erased . These incidents of terrorism also schocked the writers and poets their pens started writing the stories of these bloody incidents and bomb blasts in their own words . Muhammad Jameel kachu khol has made his place in Urdu Fiction writers and the agony and fear that prompted him to write the stories is cutting human existance like a gnat. This paper helpsto explains the psychological and social perspective of terrorism in KPK represented by Jameel kachokhel in his short stories.

Keywords: Terrorism, psychological, battlefield, bloody

نائن الیون کا واقعہ پاکستانی ادب پر خاصی شدت سے اثر انداز ہوا یہ واقعہ اگرچہ کسی اجنبی سرزمین پر رونما ہوا لیکن اس لیے عالمی ہمہ گیر اثرات پاکستان کی معیشت، سیاست اور شہری زندگی کے امن وسکون پر نا قابل فراموش حد تک مربت ہوئے۔ اردو فکشن اور شاعری میں اس کا بھرپور طریقے سے اظہار کیا گیا۔ افغانستان کی سرزمین پر وحشیانہ بم باری کا شدید ردعمل پاکستان کے مذہبی حلقوں میں ہوا۔ طالبان کے معاملے پر قوم دو طبقات میں تقسیم ہوئی۔ طبقہ اول اسلام کے

Corresponding Author's Email babar1_987@yahoo.com

روشن خیال پہلو کی حمایت اور طالبان کی انتہا پسندی کی مخالفت پر آمادہ ہوا جبکہ طبقہ دوئم نے منطق و دلیل سے کام لینے کے بجائے اسے کفر و اسلام کی جنگ قرار دے کر عین جہاد کی وجہ سے اس کے رد عمل میں شدت اور امریکہ سے نفرت کے جذبات میں تلخی پیدا ہوتی گئی، عراق پر امریکی حملے کا اگرچہ پاکستان سے کوئی براہ راست تعلق نہ تھا مگر اسلامی جذبہ اخوت اور بھائی چارے کے تحت اس کے رد عمل میں کئی نظمیں اور تحریریں منظر عام پر آئیں اگر افسانے کی دنیا کا جائزہ لیں تو اس میں طویل فہرست سامنے آتی ہے۔

نائن الیون کا سانحہ ایک تخریب کے طور پر ابھرا جس کی بنیاد پر نئی تعمیر ہو سکتی ہے۔ یہ سانحہ در حقیقت ایک عہد کی تفصیل اور دوسرے عہد کا دروازہ ہے۔ گیارہ ستمبر کا دن عہد جدید کی تاریخ کا ایک اہم ترین دن اور ناقابل فراموش یادداشت ہے جسکی بدولت مشرق و مغرب کے درمیان ایک نیا رشتہ استوار ہوا اس نئے رشتے کو پاکستان نے قبول تو کیا اور امریکہ اور پاکستان کے تعلقات بے حد ناگفتہ ہو گئے۔ پاکستانی تخلیق کاروں نے ان مخدوش حالات کو محسوس کر ایا اور ذہنی دبائو اور تنائو کی جو صورت حال درپیش تھی وہ تخلیقات کی صورت میں ابھر کر سامنے آئی سانحہ نائن الیون نے بلوچستان اور خیبر پختون خوا کی سرزمین کو میدان جنگ بنا کر رکھ دیا۔ اس خطے کے بسنے والوں کے اذہان پر ان مٹ نقوش مثبت ہونے لگے۔ ادباء کے قلم ان خون آلودہ داستانوں کی سیاسی اگلنے لگے۔ ان ادباء میں محمد جمیل کا چوخیل "کا نام بھی قابل ذکر ہے جنہوں نے اپنی آنکھوں سے سرزمین کو ان خونی واقعات کی لپیٹ میں آتے ہوئے دیکھا ہے۔

محمد جمیل کا تعلق خیبر پختون خواہ سے ہے جس اذیت اور خوف نے انہیں افسانے لکھنے پر آمادہ کیا وہ انسانی وجود نو گھن کی طرح کاٹ رہا ہے انہوں نے جس منظر نامے کو اپنے افسانوں کا موضوع بنایا ہے وہ اردو ادب میں جدید ہے دہشت گردی کے ضمن میں ان کے افسانے "مکافات"، "خوف کا بیریئر" اور کس کے ہاتھ اپنا لہو تلاش کروں "نہایت اہمیت کے حامل ہیں۔ خاص طور پر ان کا افسانوی مجموعہ "نوحہ بے نام" وادی سوات میں ہونے والے آپریشن اور طالبان کی خون زیزی کی داستان سناتا ہے۔ یہ مجموعہ انہوں نے سانحہ اے پی ایس کے شہید بچوں کے نام کیا ہے۔ اس مجموعے میں انہوں نے اپنے تمام افسانوں نہایت کاری گری سے دہشت گردی کے ناسور کے خلاف خامہ فرسائی کی ہے اور معاشرے میں ہونے والے مظالم، ظلم و جبر، بربریت، خون ریزی اور مجبوریوں کے حقیقی زیر کو سماجی ترقی کا قاتل بتایا ہے۔

"نوحہ بے نام" دراصل دہشت اور جبر کی بازگشت ہے جس نے حسین وادی سوات کے امن و سکون کی تباہی کے ہولناک مناظر کی پردہ کشائی کی ہے۔ افسانہ نگار نے راکھ ہوتے ہوئے مناظر کو بڑی مہارت سے قارئین کے سامنے پیش کیا ہے جو کہ ہر ذی روح کو جھنجوڑ کر رکھ دیتا ہے۔ انہوں نے انسانی زندگیوں کے ضیاع اور درد و کرب کی نوحہ گری کی

ہے۔ 2009-10 کے معروض حالات کے تناظر میں سماجی اور مذہبی شدت پسندی اور تنگ نظری کا نوحہ لکھا ہے۔ اس مجموعے میں وادی سوات کے بدترین دور کی یادداشتوں پر مبنی کہانیاں لکھی ہیں یہ دور ان کی نظر میں نہایت ناقابل فراموش ہونے کے ساتھ ساتھ روح انسانی کو لرزا دینے والا دور ہے۔ طالبان اور فوج کی مزاحمت کے نتیجے میں اہل سوات جن آرام و مصائب کا شکار ہوئے اس مجموعے میں ان تمام پہلوئوں پر روشنی ڈالی گئی ہے خاص طور پر افسانہ ''پگلی'' ان اندوہناک مناظر کی خوب صورت عکاسی کرتا ہے۔

حکومت کی عمل داری مکمل طور پر ختم ہو گئی تھی۔ طالبان نے آتے ہی دو طبقوں کو نشانہ بنایا۔ ایک حکمران اور بااثر لوگ جب کہ دوسرے سرکاری ملازمین خصوصاً پولیس والے۔ پولیس کو طالبان ملحد اور کافر قرار دے چکے تھے اور ہر پولیس والا قابل گردن زدنی تھا یہ گردن زدنی محاورتاً نہیں حقیقتاً تھی۔ انہیں جہاں بھی کوئی پولیس والا ہاتھ لگتا وہیں اسکا سر تن سے جدا کر کے سینے پر رکھ دیتے۔ اس میں شک نہیں کہ پولیس کا کردار ہمارے ملک میں قابل رشک نہیں رہا بلکہ پولیس گردی کا شکار ہمیشہ نچلا طبقہ اور شریف لوگ ہوتے آئے ہیں۔ لہذا طالبان پولیس والوں کے ساتھ جو سلوک کر رہے تھے معاشرے نے ابتداء میں اس کا زیادہ نوٹس نہیں لیا بلکہ بعض پولیس افسران کے انجام پر لوگ خوش بھی تھے۔ اس سارے معاملے میں سوات کے مقامی پولیس والے سب سے زیادہ متاثر ہوئے کیونکہ دوسرے علاقوں کے پولیس والے سوات سے بھاگ کر اپنے علاقوں کو چلے گئے تھے۔ (1)

یہ افسانہ در حقیقت ایک واقعاتی منظر نامہ ہے۔ جسکو کہانی کی صورت میں پیش کیا گیا ہے اور وادی سوات کی تاریخ کا ایک باب رقم کرنے کی کوشش کی گئی ہے اس افسانے میں زرمینہ کا کردار پختون گھرانے کی قدامت پسندی کو بے نقاب کرتا ہے۔ محمد جمیل کاچوخیل نے ایک خاص عہد کے محدود دائرے میں اپنی تصانیف کے مقامات، موضوعات اور کرداروں کا چنائو کیا ہے۔ لہذا ان کی کہانیاں مختلف واقعاتی حادثات، موضوعات، سماجی تعلقات اور نفسیات انسانی کے باوجود ایک ہی زنجیر کی کڑیاں لگتی ہیں ان کے افسانوں میں پختون معاشرے میں پسماندہ رسوم ورواج، خیالات و تصورات کی پیچیدگیوں میں جکڑی نوجوان نسل کے مچلتے جذبات اور نیم باغی رویوں کے دھندلے عکس آشکار ہوتے ہیں۔ مگر ان افسانوں کا اصل پہلو دہشت گردی کی نذر ہونے والی سوات کی امن و آشتی اور بے گناہ عوام کی مذہب کی آڑ میں بہیمانہ قتل وغارت گری کو منظر عام پر لانا ہے۔ اس جبر اور قتل وغارت نے انسانی نفسیات کو بالکل ڈگمگا کر رکھ دیا جس کو محمد جمیل کاچوخیل نے خوب صورتی سے قلم بند کیا ہے۔

حکومت کی عمل داری مکمل طور پر ختم ہو گئی تھی۔ طالبان نے آتے ہی دو طبقوں کو نشانہ بنایا۔ ایک حکمران اور با اثر لوگ جب کہ دوسرے سرکاری ملازمین خصوصاً پولیس والے۔ پولیس کو طالبان ملحد اور کافر قرار دے چکے تھے اور ہر پولیس والا قابل گردن زدنی تھا یہ گردن زدنی محاورتاً نہیں حقیقتاً تھی۔ انہیں جہاں بھی کوئی پولیس والا ہاتھ لگتا وہیں اسکا سر تن سے جدا کر کے سینے پر رکھ دیتے۔ اس میں شک نہیں کہ پولیس کا کردار ہمارے ملک میں قابل رشک نہیں رہا بلکہ پولیس گردی کا شکار ہمیشہ نچلا طبقہ اور شریف لوگ ہوتے آئے ہیں۔ لہذا طالبان پولیس والوں کے ساتھ جو سلوک کر رہے تھے معاشرے نے ابتداء میں اس کا زیادہ نوٹس نہیں لیا بلکہ بعض پولیس افسران کے انجام پر لوگ خوش بھی تھے۔ اس سارے معاملے میں سوات کے مقامی پولیس والے سب سے زیادہ متاثر ہوئے کیونکہ دوسرے علاقوں کے پولیس والے سوات سے بھاگ کر اپنے علاقوں کو چلے گئے تھے۔ (2)

اس افسانے کا اسلوب حقیقت نگاری پر مبنی ہے اسلام نے نام پر وقوع پذیر دہشت گردی، فوج کی بے گناہ عوام پر گولہ باری، اہلیان سوات کی سادہ لوحی اور چند مفاد پرست، مذہبی پیشوائوں کی اندھی تقلید ان افسانوں میں بار بار جھلکتی ہے۔ افسانہ نگار نے زندگی کے تمام تضادات کو موضوع بحث بنایا ہے۔ ان افسانوں میں طالبان کی آمد اور آغاز میں ان کا خیر مقدم، تربیتی کیمپوں اور اسلحے کے گوداموں کی تعمیر اور مقامی انتظامیہ کی خاموشی پر افسانہ نگار نے کوئی نکتہ نہیں اٹھایا، نہ ہی اسٹیبلشمنٹ کے کردار اور مذہبی جماعتوں کی جانب سے حوصلہ افزائی کے بارے میں کوئی بات کی ہے۔ ان افسانوں کے مطالعے پر نتیجہ اخذ کیا جا سکتا ہے کہ طالبان باہر سے حملہ آور نہیں ہوئے تھے نہ ہی وہ کوئی غیر تھے وہ اپنے ہی عزیزوں کو لقمہ اجل بنا دیتے تھے اور خود کش حملہ آور کے روپ میں خود اپنی جانوں سے ہاتھ دھو بیٹھتے تھے۔ اسلاموفوبیا کی اصطلاح انہی واقعات کی عکاس ہے مزید یہ کہ ان عسکریت پسندوں کے مسلط ہونے سے قبل طالبان اور فوج کی آنکھ مچولی اور عوام کی نظروں میں ایک جیسا کردار ادا کرنے کے حوالے سے بھی کہانیاں خاموش ہیں مگر افسانہ نگار نے بات کہنے کے فن کو بخوبی نبھایا ہے۔ ان افسانوں میں جملوں کی معنویت اور وسعت صاف محسوس کی جا سکتی ہے۔ مثلاً

سروں میں طاقت اور اقتدار کا خناس اور دلوں میں انا کی حکومت تھی مگر وہ وہی ہوا جو کسی کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا۔ اچانک سارے علاقے میں ایک نئی قوت کسی آتش فشاں کی طرح ابل پڑی جس نے یہاں کے باشندوں کی زندگی ہلا کر رکھ دی۔ یہ طالبان تھے سارے لوگ یہ دیکھ کر حیران تھے کہ اچانک یہ یاجوج ماجوج کیطرح کہاں سے امڈ آئے جن کے آگے وقتی طور پر حکومت بھی بے بس ہو گئی تھی۔ پھر صمد خان اور عجب خان کس گنتی میں تھے، پھر ان کا نشانہ خاص بھی ان جیسے

لوگ تھے اور یہ دونوں پہلے ہی اپنی دشمنی کی وجہ سے کھوکھلے ہو چکے تھے۔ لہٰذا وہ طالبان کی قوت کے سامنے مزاحمت نہ کر سکے اور طالبان کے ایک ہلہ میں دونوں کنبوں کا صفایا ہو گیا۔(3)

اس مجموعے کی بیشتر کہانیاں، جبر، دہشت اور خوف سے متعلق ہیں ان افسانوں میں مصنف نے انسانی نفسیات اور سماجی تعلقات کے تناظر میں افراد اور قبائل کے باہمی، تنازعات اور نسل در نسل منتقل ہونے والے انتقامی رویوں کو بھی موضوع بنایا ہے۔ سوات آپریشن کے دوران کتنے گھرانے اجڑ گئے، کتنے آنچل چھن گئے، بے شمار بچے یتیم ہوئے، لاتعداد خواتین بیوہ ہوئیں، کتنی لاشوں کو گدھوں اور کتوں سوروں کی خوراک بننا پڑا۔ ہنستے بستے گھر قبرستان کا منظر پیش کرنے لگے چادر چار دیواری کا تقدس پامال کیا گیا اس ضمن میں افسانہ ''ماں'' سارے منظر نامے کی نہایت خوب صورت تصویر کشی کرتا ہے۔

ہیلی کاپٹروں کے آتے ہی طالبان نہ جانے کہاں چھپ گئے۔ یوں لگتا تھا جیسے انہیں پہلے ہی سے خبر ہو چکی تھی۔ لیکن بے گناہ معصوم اور پرامن لوگ ان کی زد میں تھے۔ پہلے ہیلی کاپٹروں سے گولیوں کی بوچھاڑ کی گئی اور پھر اچانک دو میزائل داغے گئے۔ اوپر سے توپوں کے گولوں کی مہیب آوازیں اور دھماکے بھی اس شور میں دب سے گئے تھے۔ یہ اگر قیامت نہ تھی تو قیامت سے کم بھی نہ تھی۔ لوگ بے مقصد بھاگ رہے تھے۔ کبھی گائوں کی ایک طرف تو کبھی دوسری طرف، کبھی گھر تو کبھی باہر۔ مائوں سے بچے بچھڑ رہے تھے۔ بھائیوں سے بہنوں کے ہاتھ چھوٹ رہے تھے۔ بعض خوف سے بے ہوش ہو کر اور بعض مر کر ہر اذیت، ہر خوف اور ہر ڈر سے نجات پا چکے تھے۔ وہ باپردہ اور عفت مآب خواتین جنہیں آسمان اور محرموں کے علاوہ کسی نے نہیں دیکھا تھا، آبلہ پا، برہنہ سر بلکہ برہنہ جسم نظر آ رہی تھیں۔ کیونکہ کسی کی شلوار کسی پتھر میں اٹک گئی تھی تو کسی کی قمیض کسی جھاڑی میں الجھ کر تار تار ہو چکی تھی۔(4)

اس افسانے میں ''ماں'' کا کردار ایک تاریخی حیثیت اختیار کر لیا گیا ہے اس افسانے میں انسانیت کی تذلیل اور ہتک کے تناظر میں واقعات ی حقائق پر مبنی ایک اجتماعی المیہ بیان کیا گیا ہے جس میں فوج کی کاروائی سے بھی انسانی جانوں کے ضیاع کے ساتھ ساتھ آبادیوں کو بربادیوں میں تبدیل کر دیا گیا۔ طالبان کی مداخلت کے بعد اس علاقے کی حالت زار کو جس طرح بیان کیا گیا ہے وہ دیدنی ہے لوگ مرنے لگے تھے اور حالات نقل مکانی تک پہنچ گئے تھے مگر ''ماں'' جو سراپا ایثار و محبت کا مجسمہ ہے۔ ایک مضبوط چٹان کی طرح سینہ سپر ہو گئی۔ وہ سارے گائوں کی ''ماں'' تھی۔ وہ تمام بچوں کو محفوظ مقامات تک بھیجتی رہی مگر آخر میں اس کو کوئی نہ لینے آیا۔ کیوں کہ وہ تو ''ماں'' تھی مگر اسکو کوئی ''ماں'' نہ تھی۔ کہانی کا خوبصورت اختتام کہانی کو لازوال بنا دیتا ہے۔

"نالائق! اس میں کچھ رقم زمین کے کاغذات اور بہو کے زیور ہیں جو تیرے کام آئیں گے"۔ اس نے مسکراتے ہوئے حکیم خاں کو رخصت کیا۔ حکیم خان کے جاتے ہی بڑی ماں کے چہرے پر ایک مقدس اطمینان بھری روشنی پھیل گئی۔ وہ سمجھ گئی تھی کہ اسے لینے کے لیے کوئی نہیں آئے گا۔ کیونکہ حکیم خان کی طرح حکم خان اور بڑی ماں کے سارے بیٹے اپنے بچوں سمیت نکل چکے ہوں گے اور واقعی اسے کوئی لینے نہیں آیا کیونکہ وہ خود ماں تھی مگر ان کی کوئی ماں نہ تھی۔(5)

ان افسانوں میں طالبان اور فوج کی لڑائی میں عام آدمی کے پسنے کی داستان بیان کی گئی ہے خوف اور دہشت میں انسانی نفسیات کی کشمکش اور جان بچانے کی بحرانی کیفیت اور نفسانفسی کے باوجود اپنے پیاروں سے بچھڑنے کا غم نہایت جان لیوا ثابت ہوتا ہے۔ اس مجموعے کا افسانہ "میں کہاں جائوں" اسی صورت حال کی ترجمانی کرتا ہے

گولہ باری ختم ہوگئی۔ آتش فشاں ڈریگنز بھی اپنی ٹھکانوں پر لوٹ گئیں۔ درودیوار کے روزنوں سے آتی ہوئی کرنیں مانڈ پڑ رہی تھیں۔ صومیہ کے دل و دماغ پر خوف اور دہشت کا قبضہ ہوتا جارہا تھا۔ اس ملگجی روشنی میں اسے وہ ڈرائونی ہیبت ناک شکلیں کمرے کی دیواروں اور ہر تاریک کونوں میں حرکت کرتی نظر آرہی تھیں جو گھر میں خوفناک قصے سننے سے اس کے ننھے دماغ میں چھپی ہوئیں تھیں۔ اب وہ ہیبت ناک شکلیں اس کے تصورات سے باہر آرہی تھیں۔ وہ دروازے سے اٹھ کر کمرے میں واحد چارپائی پر لیٹ گئی۔ اس نے یہ صرف آنکھیں موندلیں بلکہ اپنے ہاتھ اپنی آنکھوں پر رکھ دیئے۔ مگر بند آنکھوں سے بھی آنسو نکل کر اس کی انگلیوں کی پوروں میں سے بہہ کر رخساروں پر گر رہے تھے۔ اگرچہ وہ بھوکی پیاسی تھی مگر ڈر نے بھوک اور پیاس کا احساس دبا دیا تھا۔ آنکھیں بند کرنے سے شکلیں تو غائب ہو گئیں مگر اب اس کی سماعت اسے دھوکہ دے رہی تھی۔ اسے خوفناک کریہہ آوازیں سنائی دینے لگیں۔ اس طرح نہ جانے وہ کب سوگئی۔ ساری رات ڈرائو نے سپنے دیکھتی رہی۔ صبح اس کی آنکھ ایک خوفناک دھماکے سے کھل گئی۔(6)

افسانہ "انتقام" بھی طالبان کے جنت کے فلسفے اور نوجوان لڑکوں کی برین واشنگ کے نتیجے میں ان کے خاندانوں کی بربادی کی حقیقتیں سامنے لاتا ہے۔ ایک ہی خاندان کے دو افراد چچا اور بھتیجا پولیس اور طالبان کے محافظ ہے طالبان نے پولیس کو کافر اور ملحد قرار دے دیا تھا لہذا جنت کے حصول کے لیے طالبان کے خودکش حملے میں چچا اور بھتیجا اپنی ڈیوٹی کے دوران اپنے باپ کے ہاتھوں قتل ہو جاتے ہیں سوات میں بے شمار گھروں میں ایسے واقعات رونما ہوئے جسکی وجہ سے ہر گھر میں انتقام کے شعلے بھڑک رہے تھے انتقام کی یہ کہانی اس کی مثال ہے۔

کرم داد کو بیٹے سے زیادہ بھائی کی فکر کھائے جارہی تھی اور ایک دن وہی ہوا جس کا اسے ڈر تھا۔ حکم داد پولیس گاڑی میں گشت پر تھا کہ ایک خودکش حملے میں مارا گیا اس کے نام پر گوشت کے لوتھڑے تابوت میں بند کر کے اور جھنڈے میں

لپیٹ کر اس کے حوالے کئے گئے۔ وہ مرے ہوئے بھائی کی شکل بھی نہیں دیکھ سکا۔ لوگوں کا خیال تھا کہ بھائی کی موت پر نہ جانے وہ کیا کرے گا مگر خلاف توقع وہ بالکل پر سکون دکھائی دے رہا تھا۔ لوگوں کے خیال میں وہ بڑے حوصلے والا شخص ثابت ہوا تھا مگر کسے معلوم تھا کہ رونا بھی تو زندگی کی علامت ہے اور وہ زندہ ہی کب تھا۔ ہاں اگر زندگی دم کے آنے جانے کا نام ہے تو بے شک وہ زندہ تھا مگر وہ اندر سے اس قدر ٹوٹ چکا تھا کہ اسے زندہ کہنا بھی غلط تھا۔ ایک زندہ لاش کی طرح خلاء میں نہ جانے کیا تکتا رہتا۔ اس کے گھر والے کسی بے جان مشین کی طرح اس کو کھانا کھلانے، ایک بے جان پتلے کی طرح اٹھاتے اور لٹاتے۔ اس کو چند ساعت سلانے کے لیے نیند آور انجکشن لگاتے مگر سوتے میں اس کی آنکھیں کھلی ہی رہتیں۔(7)

افسانہ ''آدم خور'' بھی طالبان کی سفاکی اور درندگی پر لکھی گئی روداد ہے جس کا مرکزی کردار دو جرمن شیفرڈ کتے ہیں۔ مصنف نے ان کتوں کی حرکات و سکنات کے موازنے سے اس جبر اور دہشت زدہ ماحول کا نقشہ کھینچا ہے۔

مغرب کی نماز ہوئے چند ہی منٹ گزرے تھے کہ بڑے گیٹ پر تین گاڑیاں آکر رک گئیں جن سے بہت سے افراد کو دگئے۔ یہ افراد ہر قسم کے اسلحہ سے لیس تھا۔ ان کے حلیے تقریباً ایک جیسے تھے۔ لمبی داڑھیاں، ایک جیسی جیکٹس کتوں کی فطری جبلت نے انہیں خطرے کا احساس دلایا اور وہ زور زور سے بھونکنے لگے۔ ان کے بے تحاشا بھونکنے پر مالک کمرے سے نکلا اور یہی شاید اس کی بڑی غلطی تھی۔ مسلح افراد نے پلک جھپکتے اس کو گھیر لیا۔ اب وہ بالکل بے بس تھا۔ اسے فرد جرم سنایا گیا۔ اس کا جرم عجیب تھا۔ اس نے چند فوجیوں کو ایک کپ چائے پلائی تھی۔ پہلے اسے کلاشنکوف کا برسٹ مارا گیا اور پھر بڑے مزے سے اس کا سر تن سے جدا کر دیا گیا۔ اس کے ساتھ یہ خصوصی مہربانی کی گئی کہ مرنے کے بعد اسے ذبح کیا گیا۔ ورنہ عموماً یہ لوگ ذبح ہی کرتے تھے۔ دونوں کتے بغیر چار دیواری کی چھت سے یہ سارا منظر دیکھ رہے تھے۔ ان کی بھونک اور غراہٹ اب ایک قسم کی فریاد میں ڈھل گئی تھی۔ جو انسانوں کی سسکاری سے مشابہہ تھی۔ اسلحہ بردار جس اطمینان سے آئے تھے، اسی اطمینان سے واپس چلے گئے۔(8)

''نوحہ بے نام'' اپنی تیکنیک اور اسلوب کے حوالے سے بہترین افسانوی مجموعہ ہے۔ اسمیں حقیقت اور فن کا بہترین امتزاج ملتا ہے اس کے علاوہ تمام افسانوں میں تجسس کی فضا عروج پر ملتی ہے یہ نوحہ بے نام ایک عالم گیر تولے کا روپ دھار لیتا ہے جب اسمیں دہشت اور جبر کی بازگشت سنائی دینے لگی ہے افسانہ نگار نے اسے ''نوحہ بے نام'' کہہ کر اس

کی معنویت میں مزید اضافہ کر دیا ہے یہ نوحہ در حقیقت طالبان کے ظلم و بربریت کا ترجمان ہے جس میں المیاتی پہلو سر فہرست ہے یہ دراصل افسانہ نگار کے اپنے ماحول سے اخذ شدہ تحریریں مجسمیں عوام الناس کے مادی مسائل اور ان کی فکری ساخت واضح طور پر نظر آرہی ہے اس مجموعے میں پختون سماج کی روایات پر بھی خامہ فرسائی کی گئی ہے۔

المختصر یہ افسانوی مجموعہ دلکش مناظر دلچسپی اسلوب اور دل گزار مصنوعات کے باعث اردو کے سانحات ادب کا ایک روشن باب بن چکا ہے افسانہ نگار نے فکری و نظری اعتبار سے حساس قرار دینے جانے والے بعض معاملات کو نہایت خلوص سے بیان کرنے کی کوشش کی ہے ان کے افسانے ایک نیا جہان معانی آشکار کرتے ہوئے محسوس ہوتے ہیں۔ تمام افسانے کرداری واقعاتی خلیج کے باوجود اپنے مشترک زوایہ فکر کی بناء پر ایسے نکتے پر مجتمع ہوتے ہیں کہ جس میں دل کش افسانوی صورت پیدا ہوتی ہے جو کہ فن افسانہ نگاری میں ایک خوش اضافہ ہے۔

حوالہ جات

1۔ محمد جمیل کاچو خیل، نوحۂ بے نام، مثال پبلشرز، فیصل آباد، 2020ء، ص49-50

2۔ محمد جمیل کاچو خیل، نوحۂ بے نام، مثال پبلشرز، فیصل آباد، 2020ء، ص54

3- محمد جمیل کاچو خیل، نوحۂ بے نام، مثال پبلشرز، فیصل آباد، 2020ء، ص56

4- محمد جمیل کاچو خیل، نوحۂ بے نام، مثال پبلشرز، فیصل آباد، 2020ء، ص97

5- محمد جمیل کاچو خیل، نوحۂ بے نام، مثال پبلشرز، فیصل آباد، 2020ء، ص100

6- محمد جمیل کاچو خیل، نوحۂ بے نام، مثال پبلشرز، فیصل آباد، 2020ء، ص89

7- محمد جمیل کاچو خیل، نوحۂ بے نام، مثال پبلشرز، فیصل آباد، 2020ء، ص109

8- محمد جمیل کاچو خیل، نوحۂ بے نام، مثال پبلشرز، فیصل آباد، 2020ء، ص102-121